مقالات

ورثۂ اسلامیہ کا ایک باب

تصوف اسلام ڈاکٹر نکلسن کی نگاہ میں

ترجمہ و تحشیہ جناب ذوقی شاہ صاحب

جناب ذوقی شاہ صاحب کا دلچسپ سلسلۂ مضامین "مکتب مادی پر ایک نظر" ان کی ناسازیٔ مزاج کی وجہ سے رک گیا ہے۔ امید ہے کہ عنقریب یہ سلسلہ پھر جاری ہو جائے گا۔ سردست انھوں نے ورثۂ اسلامیہ The legacy of Islam کے اس باب کا ترجمہ اپنے حواشی کے ساتھ ہمارے پاس بھیجا ہے جس میں پروفیسر ڈاکٹر نکلسن نے تصوف اسلام پر اپنی تحقیق کے نتائج پیش کئے ہیں۔ ایک حد تک یہ مضمون اس رسالے کے دائرہ بحث سے ہٹا ہوا ہے۔ مگر ہم اس غرض کے لئے اس کو شائع کرتے ہیں کہ ایک طرف اسلام اور اسلامی تحریکات کے متعلق مغربی محققین کا مبلغ تحقیق معلوم ہو، اور دوسری طرف خود اپنی ان کمزوریوں کا حال بھی ہم پر روشن ہو جائے جن کی وجہ سے غیروں کو اسلام اور اہل اسلام پر طعن کا موقع ملتا ہے۔ تصوف کو سمجھنے میں ڈاکٹر نکلسن نے جو غلطیاں کی ہیں ان کو فاضل مترجم نے اپنے حواشی میں مختصراً واضح کر دیا ہے مگر اس کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ متاخرین کا تصوف جن جن مسائل میں اسلام کے مرکز سے منحرف ہو گیا ہے، ان کو ہمارے صوفیہ سمجھیں اور کتاب اللہ و سنت رسول کی طرف رجوع کریں۔ ایڈیٹر

مقدمہ از مترجم | "دی لیگیسی آف اسلام" (The Legacy of Islam) یعنی "ورثۂ اسلامیہ" مولفہ

سرٹامس آرنلڈ (آنجہانی) اور مسٹر الفریڈ گیلوم Alfred Guill aume ایک حال کی تالیف ہے جو انگلستان کے آکسفورڈ یونیورسٹی پریس سے حال ہی میں شائع ہوئی ہے اس کتاب میں اسلام کے مختلف پہلوؤں پر یورپین نگاہ سے نظر ڈالی گئی ہے اور بتلایا گیا ہے کہ اسلام کا یورپ پر کیا اثر پڑا مختلف ابواب مختلف مستشرقین یورپ کے قلم سے نکلے ہیں جس شخص کو جس مضمون کے ساتھ زیادہ مناسبت تھی اُس نے اسی مضمون پر قلم اٹھایا اور مولفین نے ان مضامین کو کتاب کی صورت میں ترتیب دیکر ایک دیباچہ کا اضافہ کردیا اس کتاب میں تصوف پر بھی ایک باب ہے جو مسٹر آر۔ اے نکلسن کا لکھا ہوا ہے مسٹر نکلسن کیمبرج یونیورسٹی میں عربی کے پروفیسر ہیں اور فارسی و عربی میں اتنی استعداد رکھتے ہیں کہ تصوف کی کتابوں کا بخوبی مطالعہ کر سکیں۔ چنانچہ ان کے مضمون سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس فن میں ان کا مطالعہ وسیع ہے اور انھوں نے مسائل تصوف کے سمجھنے میں اپنی دماغی قابلیت کو بھی پوری قوت سے صرف کردیا ہے مگر تصوف ان چیزوں میں سے نہیں جو محض مطالعہ کتب سے سمجھ میں آسکتی ہیں۔ جب تک روحانیات سے کسی شخص میں فطری مناسبت نہ ہو اور تصوف کے عملی پہلو سے وہ کیفی اور حالی آگاہی حاصل نہ کرے اس فن لطیف کی باریکیاں کماحقہ اس کی سمجھ میں نہیں آسکتیں۔

اسلامی مسائل پر مستشرقین یورپ کی بیشتر تحریریں دیکھنے کے بعد مندرجہ ذیل نتائج میں سے کسی ایک نتیجہ پر لازمی طور پر آنا پڑتا ہے۔

(۱) باوجود علم وفضل کے لمبے چوڑے دعوؤں کے ان لوگوں میں اب تک صحیح اسلام کے سمجھنے کی صلاحیت پیدا نہیں ہوی۔

(۲) یا یہ لوگ دیدہ و دانستہ اسلام کو بدنما بنا کر پبلک کے سامنے پیش کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

(۳) یا پھر ہم یہ کہنے پر مجبور رہوں گے کہ یہ لوگ اسلام کا مطالعہ تحقیق حق کی نیت سے نہیں کرتے بلکہ جاسوس بن کر دشمنی کی نگاہ اس پر ڈالتے ہیں اور اسے توڑ موڑ کر دوسروں کے سامنے پیش کرتے ہیں۔

یہ لوگ غلط مبادیات سے ابتدا کرتے ہیں اور غلط نتائج پر آتے ہیں۔ اسلام کو غلط معیار سے پرکھتے ہیں اور خود اپنی ہی غلطیوں کا شکار ہو جاتے ہیں جس نگاہ سے وہ فلسفہ کو دیکھنے کے عادی ہیں اسی نگاہ سے مذہب کو بھی دیکھتے ہیں حالانکہ فلسفہ اور مذہب دو مختلف چیزیں ہیں فلسفہ کوشش انسانی کا نتیجہ ہے۔ مذہب حق تعالیٰ کی بھیجی ہوئی ہدایت ہے۔ محدود انسانی معلومات، ناقص انسانی تجربوں کوتاہ نظر ضعیف البصر اور خام عقل انسانی کے تنگ و تاریک اور ناہموار میدان میں استدلال کے پائے چوبین کی گردشوں پر فلسفہ کے وجود کا انحصار ہے اور وحی الٰہی کی ہدایت بخش روشنی پر مذہب کا دار و مدار ہے دونوں چیزیں مختلف برتاؤ کا مطالبہ کرتی ہیں مگر جس قوم نے وحی الٰہی کو ابھی تک نہ سمجھا ہو اور جس کی علمی روشنی خالق و مخلوق کے صحیح تعلقات باہمی کی جانب رہنمائی کرنے میں ظلمت کا حکم رکھتی ہو اس قوم کے افراد اپنی ہی روش پر قائم رہکر ایک سچے مذہب کے متعلق صحیح اصول پر کامیابی کے ساتھ تحقیقات نہیں کر سکتے۔ فِي قُلُوبِهِم مَّرَضٌ

ایک بڑی غلطی جس میں یہ لوگ اکثر الجھا کرتے ہیں یہ ہے کہ اسلام کو وہ ایک جدید مذہب سمجھتے ہیں اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو اس مذہب کا بانی قرار دیتے ہیں۔ حالانکہ یہ بالکل غلط ہے اس مسئلہ پر تفصیلی گفتگو کا یہ موقع نہیں اجمالاً اس قدر کہدینا کافی ہے کہ اسلام نہایت قدیم مذہب ہے۔ جس مذہب کی اشاعت ابراہیم علیہ السلام اور موسیٰ علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام اور دیگر انبیاء علیہم السلام نے کی وہ اسلام ہی ہے اور اسی مذہب کی اشاعت حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے بھی کی۔ از آدم تا ایں دم جملہ انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات میں اصولاً کوئی اختلاف نہیں۔ صرف فروعی اختلافات ہیں جو ضرورت وقت اور مصلحت الٰہی پر مبنی ہیں عقاید اصول کے تحت میں آتے ہیں اور ان میں کوئی اختلاف نہیں۔ انبیاء و مرسلین حق کی تعلیمات کے اثرات سے نہ حکمائے یونان محروم رہے نہ رہبان عیسوی نہ جوگیان ہند اس حقیقت سے دیگر اقوام کے محققین بھی ناآشنا نہیں۔ چنانچہ الفرڈ ویبر اپنی کتاب تاریخ فلسفہ کے صفحہ ۱۶۴-۱۶۵ پر لکھتے ہیں کہ :-

"وسیع الخیال اصحاب غور و فکر مثلاً ماڈریٹس (Moderatus) نکومیکس (Nichomacus) اور نیومنیس (Numenius) موسیٰ علیہ السلام کو یہودی افلاطون اور افلاطون کو یونانی موسی کہنا پسند کرتے تھے"

پھر صفحہ ۱۸۶ پر وہ لکھتے ہیں کہ :-

"کوئی شخص افلاطون اور عیسائیت میں بعض مماثلتوں کو تسلیم کیے بغیر نہیں رہ سکتا۔ ان مماثلتوں میں سے بعض اتنی قریبی اور ملتی جلتی ہیں کہ ان میں ذرا سا بھی اختلاف نظر نہیں آتا ان مماثلتوں کی کیا وجہ ہو سکتی ہے ؟ بکثرت محققین بخیگی سے اس امر پر متفق ہیں کہ افلاطون کا ماخذ عبارات کتب عہد عتیق ہیں۔" ؎

یہ ضرور ہے کہ ان لوگوں نے حق میں اپنی طرف سے باطل کی بھی آمیزش کر لی یقینیات میں ظنّیات کو شامل کر لیا اور سچی تعلیمات کی اصلی صورت کو اپنی غلطیوں سے بگاڑ دیا حق کو باطل کی آمیزشوں سے دور کرنے ہی کے لیے اور سابقہ ناکمل تعلیمات کی تکمیل کی غرض سے ہمارے نبی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مبعوث ہوئے ایسی صورت میں مسلمانوں اور فرقہائے سلف کے افعال و اقوال میں کہیں کہیں صوری شاہبت یا معنوی مماثلت نظر آ جائے تو اس سے یہ نتیجہ نہیں نکل سکتا کہ اسلام میں کوئی غیر اسلامی چیز بھی آکر شامل ہوئی ہے حق بات کہیں بھی ہو مومن کی ملکیت ہے، کیونکہ وہ حق تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ پروفیسر نکلسن اپنے مضمون میں جابجا اپنی قیاسی کھینچ تان سے جو یہ بیان کرتے چلے گئے ہیں کہ مسلمان صوفیہ نے فلاں زمانے میں فلاں خیال فلاں گروہ سے اخذ کیا یہ ان کی نادانی سادہ لوحی، اور یورپین ذہنیت کا نتیجہ ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ فلسفہ کی طرح مذہب بھی امتداد زمانہ سے اپنے

؎ الفریڈ ویبر (Alfred Weber) فرانس میں اسٹراس برگ یونیورسٹی کے پروفیسر ہیں۔ ان کی کتاب تاریخ فلسفہ کا انگریزی ترجمہ (لانگمینس گرین اینڈ کمپنی (Longmans Green & co) نے لندن میں سنہ ۱۹۱۹ میں شائع کیا۔ (ذوقی)

متبعین کی قابلیت اور تجربوں کے ساتھ اپنی صفات ذاتی میں ترقی کرتا چلا آتا ہے۔
ایک اور بات بھی ان کی سمجھ میں نہیں آئی قاعدہ یہ ہے کہ ہر پیغمبر اپنے زمانے میں اپنی امت کو تعلیم اس طریقہ سے دیتا ہے جسے آجکل انگریزی اصطلاح میں ڈائرکٹ متھڈ (Direct Method) کہتے ہیں۔ مثلاً یہ کہ نبی نے خود وضو کرکے تبلادیا کہ وضو اس طرح کرتے ہیں نماز پڑھ کر تبلادی کہ نماز یوں پڑھتے ہیں۔ لوگ ان باتوں کو بہت آسانی سے حاصل کرتے ہیں اور اس حصول میں انھیں نہ کتابوں کے مطالعہ کی ضرورت پڑتی ہے نہ وہ اصطلاحات کے محتاج ہوتے ہیں۔ مگر بعد کے زمانوں میں ان امور کی وضاحت کے لئے اصطلاحات وضع کرنے کی بھی ضرورت پیش آتی ہے اور کتابوں کے لکھنے کی بھی۔ زمانہ جس قدر قرن اول سے بعد اختیار کرتا جاتا ہے اسی قدر اصطلاحات اور تصانیف میں وضاحت کی بھی زیادہ ضرورت محسوس ہوتی جاتی ہے پہلے زبان وجود میں آتی ہے بعد میں اس کی صرف و نحو لکھی جاتی ہے۔ اور مختلف طلبار کی قابلیت کے لحاظ سے مختلف انداز سے بیان کی جاتی ہے یہی سبب ہے کہ عموماً متقدمین کی تصانیف تصوف میں اجمال اور متاخرین کی تصانیف میں تفصیل پائی جاتی ہے۔ اس کے یہ معنی نہیں کہ جو کچھ متاخرین نے لکھا ہے وہ اصل چیز میں اپنی طرف سے اضافہ کیا ہے بلکہ ہر شخص اپنی قابلیت کے مطابق اپنے زمانے کے لوگوں کی ذہنیت اور استعداد کو مدنظر رکھ کر اصلی چیز ہی کو جس وضاحت اور صفائی اور عمدگی سے ہوسکتا ہے بیان کرتا ہے۔ امام غزالیؒ نے اگر تصوف کو اس انداز سے بیان کیا کہ جو لوگ پہلے اس سے منحرف تھے وہ اس کے دلدادہ ہوگئے تو یہ امام غزالیؒ کے انداز بیان کی خوبی ہے نہ یہ کہ انھوں نے نعوذ باللہ اپنی طرف سے تصوف یا اسلام کی صورت کو بدلدیا ہو۔ قرآن شریف کی کتابت میں پہلے اعراب نہ دئے جاتے تھے بعد میں ضرورت متقضی ہوی کہ اعراب دئے جائیں۔ اس سے اگر کوئی یورپ والا یہ نتیجہ نکالے کہ قرآن میں زیر زبر پیش کا بعد میں اضافہ ہوا تو یہ بات اس کی انتہا درجہ کی نادانی پر دلالت کرے گی۔ افسوس ہے کہ اس قسم کی لغزشیں

پروفیسر نکلسن سے بھی سرزد ہوئی ہیں۔

اس کتاب کا نام "ورثۂ اسلامیہ" بھی اہل یورپ کی اسلام کے متعلق ذہنیت کا پتہ دیتا ہے الحمد للہ
کہ اسلام مردہ نہیں کوئی مسلمان اس کتاب کو لکھتا تو اس کا نام

"زندہ اسلام کے زندہ اثرات"

رکھتا اور وہ کتاب بفضلہ تعالیٰ ان عیوب سے بھی پاک ہوتی جو اس انگریزی کتاب میں پائے جاتے ہیں کاش کوئی صاحب اس کا ترجمہ کرکے حواشی ہی کے ذریعہ سے ان عیوب کو دور کردیں

ذیل میں پروفیسر نکلسن صاحب کے مضمون کا ترجمہ درج کیا جاتا ہے۔ ذوقی

"تصوف" از ڈاکٹر نکلسن

زیادہ عرصہ نہیں گذرا کہ میں انڈرہل کی کتاب مسٹیسزم (Mysticim) کا مطالعہ کر رہا تھا کہ اس کے ابتدائی صفحات پر میری نظر سے دو مقولے گذرے۔ ایک تو جرمنی کے زمانہ وسطیٰ کے ایک روحانی شخص کا تھا، اور دوسرا انگلستان کے ایک مصنف کا جس کا حال ہی میں انتقال ہوا ہے۔ ان مقولوں کو دیکھکر مجھے معاً یہ خیال گذرا کہ میں ان دونوں سے ملتے جلتے مسلمانوں کے مقولے بھی پیش کرسکتا ہوں[1] ایکہارٹ (جرمنی) کا مقولہ یہ ہے کہ:- "مخلوق جو کہ نیستی محض ہے انا کے استعمال کی مجاز نہیں اور یہ لفظ صرف خدا ہی استعمال کرسکتا ہے" اس مقولہ نے میرے دل میں اس یاد کو تازہ کردیا کہ ساڑھے تین سو سال قبل بغداد میں ابوالنصر سراج نے توحید کی تعریف کے سلسلہ میں بیان کیا تھا کہ "سوائے خدا کے کسی کی مجال نہیں کہ انا کہے کیونکہ انانیت حقیقی خدا ہی کو سزاوار ہے"۔ اور ایڈورڈ کارپنٹر (انگلستان) کا مقولہ یہ ہے کہ:- "اس مشاہدہ میں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جملہ حواس ملکر ایک حس بنگئی

---

[1] پروفیسر نکلسن نہ تو یہاں تصوف کی تعریف بیان کرتے ہیں۔ نہ کسی اور طریقہ سے سمجھاتے ہیں کہ تصوف کسے کہتے ہیں۔ ابتدا ہی سے ان کی نظر مختلف اقوام کے مقولوں کی مماثلتوں پر ہوتی ہے اور انہیں مماثلتوں کو آگے چلکر وہ شہادتیں قرار دینے لگتے ہیں۔ (ذوقی)

اس مقولہ نے میری رہنمائی مصر کے شاعر اور ولی ابن الفارض (سنہ ۱۲۳۵ء) کے اُن اشعار کی جانب کی جن کا مطلب یہ ہے کہ:- "میری آنکھ بولتی تھی اور میری زبان دیکھتی تھی میرے کان باتیں کرتے تھے۔ اور میرے ہاتھ سنتے تھے جس وقت کہ میرا کان آنکھ بنا ہوا تھا اور سب کچھ دیکھتا تھا میری آنکھ کان بنی ہوئی تھی اور گیت سُن رہی تھی"۔ اس کا منشا یہ ہے کہ مشاہدۂ خاص میں اس کے تمام حواس متفق تھے اور ایک ہی کام کر رہے تھے۔

یہ ایک توارد ہے جو بادی النظر میں شہادت کا حکم رکھتا ہے کیفیات روحانی اور بصیرت عرفانی میں مغرب اب بھی اسلام سے کچھ نہ کچھ سیکھ سکتا ہے۔ ازمنہ متوسطہ میں جب کہ مسلمانوں کے فلسفہ اور علوم کی شعاعیں ان کے اندلسی مرکز سے نکل کر عیسوی یورپ پر پڑ رہی تھیں اور وہاں روشنی پھیلا رہی تھیں یورپ نے جو کچھ مسلمانوں سے سیکھا اور حاصل کیا اُس کی تفصیل ابھی تک دریافت طلب ہے مگر اس میں شک نہیں کہ سیکھا بہت کچھ۔ حیرت کی بات ہوگی اگر اسلامی تصوف کے اثر سے ٹامس ایکوئناس، ایکہارٹ، اور ڈانٹے جیسے لوگ بچے ہوں۔ کیونکہ تصوف کی مشترکہ زمین پر زمانۂ وسطیٰ میں عیسویت اور اسلام باہم بہت متصل تھے۔ یہ واقعہ تاریخ پر مبنی ہے جیسا کہ آگے چل کر معلوم ہوگا۔ اس سے اس امر کا پتہ چل جائیگا کہ اس زمانہ کے رومن کیتھولک اور مسلمان ارباب روحانیت کے خیالات اور طریقوں میں اس درجہ مماثلت ہے کہ دونوں ایک ہی سی روحانی فضا کا نتیجہ معلوم ہوتے ہیں۔ کیتھولک چرچ نے تو اپنی ان روایات کو قائم رکھا مگر تیرہویں صدی عیسوی کے بعد اسلام میں روحانیت نے اس مذہب جدید کے فلسفہ کی جانب رخ کیا جو متشرع لوگوں کی نگاہ میں مذہب حقیقی سے بالکل مختلف ہے۔

دوسری صدی ہجری کے اختتام کے قریب (سنہ ۲۰۱ھ ۸۱۶ء) ہمکو عراق میں لفظ صوفی سنائی پڑتا ہے جس نام سے کہ بعد میں روحانی مسلمان پہچانے جانے لگے۔ اس کا صوف سے مشتق ہونا جو کہ

عیسائی راہبوں کا لباس تھا منجملہ اُن علامات کے ہے جو کہ اس جانب رہنمائی کرتی ہیں۔ ماخذ کے مشکل سوال پر یہاں بحث نہیں ہو سکتی۔ ہم پہلے اس پہلو پر غور کرتے ہیں کہ تصوف کی اصل اسلام ہے صوفیوں کا یہ دعوی کہ انہوں نے تصوف کو پیغمبر سے اخذ کیا قابل وقعت ہے۔ قرآن ہی ایک ایسی کتاب ہے جو پیغمبر کی شخصیت کے متعلق صحیح حالات لے کر ہم تک پہنچی ہے۔ اور اس میں رہبانیت اور اسرار مذہب کے عناصر دیگر عناصر کے ساتھ مخلوط ہیں۔ رہبانیت کے عناصر پر صوفیا نے پیغمبر صاحب سے بھی زیادہ زور دیا ہے اور زیادہ گہرے معنی پہنائے ہیں مگر اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ تصوف نے قرآن سے کچھ نہیں لیا مسلمان جو کہ اپنی کتاب مقدس کا ہمیشہ سے بڑا احترام کرتے چلے آئے ہیں اور بچپن ہی میں اسے حفظ کر لیتے ہیں اور بڑے غور و خوض سے اس کی تلاوت کرتے ہیں اور تمام انسانی علوم کے حصول کی اُسے کنجی سمجھتے ہیں اس خیال کی کسی طرح تائید نہیں کر سکتے۔ اور تاریخی اعتبار سے یہ بات ہے بھی غلط۔ گو محمد (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) نے الہیات کے متعلق اصولاً ظاہری یا باطنی تعلیم باقاعدہ اور واضح طور پر نہیں دی[1] تاہم قرآن میں دونوں کے لئے (یعنی ظاہری اور باطنی تعلیم کے لیے) خام مسالہ موجود ہے۔ خدا کے متعلق پیغمبر صاحب کے بیانات بیشتر جذبات اور کمتر غور و خوض کا نتیجہ ہیں اور ان بیانات میں بظاہر کوئی صوری تطبیق نہیں[2]۔ متکلمین اسلام نے اپنے عقائد میں اللہ تعالیٰ کے رفیع الدرجات اور

---

[1] بریں عقل و دانش بباید گریست۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے الہیات کے متعلق جتنی اچھی اور جتنی مکمل تعلیم دی ہے اس سے بہتر نہ کسی اور نے دی نہ کوئی اور دے سکتا ہے۔ (ذوقی)۔

[2] خدا کے متعلق نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے بیانات نہ جذبات پر مبنی ہیں نہ غور و خوض پر بلکہ وحیٔ الہی کا نتیجہ ہیں جو کہ سائنٹیفک تحقیقات سے ماوراء ہے بیانات مذکورہ میں اہل حجاب کے نزدیک باہم تطبیق صوری کا بظاہر نہ ہونا کوئی تعجب خیز امر نہیں اللہ تعالیٰ جامع اضداد ہے اور اسے اس نگاہ سے نہیں دیکھا جا سکتا جس نگاہ سے ایک انسان کو دیکھا جاتا ہے۔ وہ لامحدود ہے اور جملہ اقسام کے تقییدات سے پاک۔ ذوقی

برتر ہونے کو داخل کیا مگر صوفیا نے اتباع رسول میں اپنے عقائد میں اللہ کے رفیع الدرجات اور برتر ہونے کے ساتھ اس کے جاری اور ساری (حاضر و ناظر) ہونے کو بھی شامل کر لیا اور گو موخرالذکر امر کی جانب قرآن میں اشارات ہیں مگر وہ اشارات اس درجہ واضح اور نمایاں نہیں جتنا کہ صوفی انھیں واضح اور نمایاں اور اہم قرار دیتے ہیں۔

اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ — اللہ نور ہے آسمانوں کا اور زمین کا (النور ع ۵)

هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ۔ — وہی اول وہی آخر۔ وہی ظاہر وہی باطن۔ (الحدید ع ۱)

لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ — نہیں ہے کوئی الٰہ مگر وہ، ہر چیز ہالک مگر ذات اس کی (القصص ع ۹)۔

وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ۔ — اور پھونک دی بیچ اس کے روح اپنی سے (الحجر ع ۳)

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ وَنَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِهٖ نَفْسُهٗ وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ۔ (ق۔ ع ۲) — اور البتہ تحقیق پیدا کیا ہم نے انسان کو اور ہم جانتے ہیں جو کچھ کہ خطرہ اس کے دل میں گذرتا ہے اور ہم انسان سے اس کی رگ جان سے بھی زیادہ قریب ہیں۔

فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ — پس جس طرف تم منہ کرو وہیں اللہ کا بھی منہ ہے (البقرہ ع ۱۴)

وَمَنْ لَّمْ يَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا فَمَا لَهٗ مِنْ نُّوْرٍ۔ — اور جس کو اللہ نور نہ عطا فرمائے اس کے لیے کہیں نور نہیں۔ (النور ع ۵)۔

آیات مندرجہ بالا میں تمہارے تصوف یقیناً موجود ہیں اور صوفیائے متقدمین کے لیے قرآن صرف خدا کا کلام ہی نہیں بلکہ خدا سے قرب حاصل کرنے کا بڑا ذریعہ بھی ہے۔ کثرت عبادت اور قرآن پر بالعموم بہت عموماً اور بالخصوص سورہ بنی اسرائیل کی پہلی آیت اور سورۃ النجم کی پہلی اٹھارہ پر اسرار آیات پر جو کہ معراج سے متعلق ہیں غور و خوض کرنے اور مراقب رہنے سے اُن لوگوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ

آلہ وسلم کے مشاہدات کو خود حاصل کرنے کی کوششیں کی ہیں۔

اب زمانی اور مکانی حالات پر بھی ذرا نظر ڈال دیکھو۔ جس سیاسی انقلاب نے دارالسلطنت کو دمشق سے بغداد کی طرف منتقل کیا اس نے اسلام کو ایک قدیم تر تمدن سے بھی متصل اور متصادم کر دیا اگو بالاخر اسلامی غلبہ نے اجنبی خیالات کو مٹا دیا مگر تاریخ شاہد ہے کہ اس نوعیت کے مقابلوں میں غلبۂ کامل کبھی نہیں حاصل ہوتا۔ ہمارے زیر بحث اس وقت وہ عالمگیر تحریک ہے جو اُن ممالک میں پھیل گئی تھی جہاں مسلمان مذہبی مباحثوں اور مناظروں میں عیسائیوں اور زرتشتیوں وغیرہ کے ساتھ رات دن مصروف رہتے تھے اور جہاں محکوم قومیں جو کہ نو مسلم تھیں اپنے جدید اختیار کردہ مذہب کو اپنی ضروریات کے مطابق بنانے کی کوشش میں بعض مرتبہ صدق دلی کے ساتھ اپنی پُرانی محبوب باتوں اور رسموں کی تائید میں تعلیم رسالت سے مصالحہ فراہم کر لیتی تھیں صوفیوں کو قرآن کے باطنی پہلوؤں کا مطالعہ کنندہ تسلیم کرنا درست ہے مگر میرے خیال میں تصوف کو محض قرآن ہی کی تعلیم کا نتیجہ قرار دینا صحیح نہیں ۲۰۰ھ کے بعد تصوف نے یونانی فلسفہ کو اپنے میں جذب کرنا شروع کر دیا اور اب تک جو تاریخی شہادت مہیا ہو سکی ہے اُس سے اسی جانب اشارہ پایا جاتا ہے کہ تصوف کا ماخذ اور اس کی ابتدائی نشو و نما عیسائی رہبان اور یونانی باطنیوں کے اثرات سے متعلق ہے۔ ہم اچھی طرح یقین کر سکتے ہیں کہ عیسائی راہب کی شکل و صورت سے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) خوب آشنا ہوں گے اور اس شکل و صورت نے آپ کے متبعین کے لیے ایک نمونہ پیش کیا ہوگا جس کے مطابق وہ لوگ اپنی زندگی بسر کرتے ہوں گے[1] یہ مشہور کلمات کہ لا رہبانیۃ فی الاسلام جو کہ آپ سے منسوب کر دیئے گئے ہیں درحقیقت زمانۂ مابعد کا ایک انحراف ہے جو عیسائی تخیل کے خلاف کیا گیا ہے اور عیسائی اثرات کے اس قوت کے غلبہ کا ایک ثبوت ہے۔ عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ پیغمبر صاحب نے قرآن میں رہبانیت کو جس میں کہ ترک دنیا

[1] "ہوگا" اور "ہوں گے" کے الفاظ پر ذرا غور کیجئے اور ان ظنیات کی بنا پر پروفیسر صاحب کے استدلال کو ملاحظہ فرمائیے۔ (ذوقی)

بھی شامل ہے منع فرمایا ہے مگر سورۃ الحدید کی آیت نمبر ۲ کی تفسیر جو کہ تیسری صدی ہجری کے آخر تک تسلیم کی گئی ہے یہ ہے کہ آپ نے رہبانیت کا حکم اس حیثیت سے فرمایا کہ وہ خدا کی مقرر کردہ ہے اور مذمت کا مستحق انہی کو قرار دیا جنہوں نے اس کو بگاڑ دیا۔[1]

ابتدائی زمانہ کا اسلامی تصوف آنے والے عذاب الیم کی دہشت اور خوف، روزے اور گریہ، زہد اور تقویٰ اور مناجاتوں کا ایک آتش خانہ تھا جس میں اس تصوف کی پرورش ہوتی تھی کہ لا الٰہ الا اللہ کے ہوتے ہوئے خدا کی عبادت دوزخ کے خوف اور جنت کے لالچ سے کرنا چونکہ خدا کے ساتھ ایک اور معبود کو شامل کر لینا ہے یعنی غیر اللہ سے محبت یا خوف کو دل میں جگہ دے لینا ہے اس لئے صوفی صرف خدا ہی پر بھروسہ کرتا ہے جسے توکل کہتے ہیں اور خدا ہی کی رضا مندی سے خوش ہوتا ہے جسے رضا کہتے ہیں مگر یہ قول فیصل نہیں معبودان باطل سے علیحدگی کا لازمی نتیجہ معبود برحق سے کامل لگاؤ ہے اور تصوف کی زبان میں اس کامل لگاؤ کو وصل بحق ہونا کہتے ہیں اور یہ وصل عشق کے ذریعہ حاصل ہوتا ہے۔ یہ وہ بنیادی اصول ہے جس پر سارے مذہبی اور اخلاقی تصوف کا دار و مدار ہے۔ ہمارے (یعنی یورپ کے) مستند مصنفین نے اس خیال کو سب سے پہلے جن کے کلام میں وضاحت کے ساتھ اور نمایاں طور پر پایا وہ ایک

[1] یہاں تو پروفیسر صاحب نے غضب ہی کر دیا۔ اول تو قرآن میں جو احکام آئے ہیں وہ پیغمبر صاحب کی طرف سے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں۔ دوسرے جس آیت کی رو سے رہبانیت کو پروفیسر صاحب حکم الٰہی کے مطابق قرار دیتے ہیں یہ ہے۔ وَرَهْبَانِيَّةً ابْتَدَعُوهَا مَا كَتَبْنَاهَا عَلَيْهِمْ إِلَّا ابْتِغَاءَ رِضْوَانِ اللَّهِ "اور رہبانیت انہوں نے (یعنی نصاریٰ نے) اپنی طرف سے نکالی تھی۔ ہم نے اسے ان پر لکھا تھا (یعنی ہم نے انہیں اس کا حکم نہ دیا تھا) مگر (انہوں نے خود اسے) اللہ کی رضا مندی کی تلاش میں اختیار کیا تھا تو احکام حق ادا کرنے کی رعایت ملحوظ رکھنی چاہئے تھی مگر انہوں نے رعایت نہ کی اس کی جیسا کہ حق تھا رعایت کرنے کا۔ فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا فَآتَيْنَا الَّذِينَ آمَنُوا مِنْهُمْ أَجْرَهُمْ وَكَثِيرٌ مِنْهُمْ فَاسِقُونَ پس دیا ہم نے ان لوگوں کو کہ ایمان لائے ان میں سے۔ ثواب ان کا اور بہت ان میں سے فاسق ہیں۔"

اس آیت سے تو صاف ظاہر ہوتا ہے کہ رہبانیت کا حکم خدا کی طرف سے نہ تھا بلکہ ایک بدعت تھی جو کہ خود نصاریٰ نے ایجاد کی تھی اور پھر بھی اس کا حق ادا نہ کر سکے۔ (باقی)

ولیہ ہیں جو رابعہ بصریہ کے نام سے موسوم ہیں (۱۸۰ھ)۔ وہ ایک لونڈی تھیں جن کے والدین کی بابت کوئی علم نہیں[۱]۔ معلوم نہیں کہ جو اشعار ان سے منسوب ہیں وہ اُن کے ہیں بھی یا نہیں۔ مگر ان اشعار میں ایک صوفی کا نصب العین ان قلبی کیفیات کو قرار دیا گیا ہے جو محبوب کے تصور سے دل میں برانگیختہ ہوتے ہیں۔ ان اشعار کا مطلب یہ ہے کہ۔

"دو وجوہ ہیں جن سے مجھے تیری محبت ہے۔ ایک ذاتی وجہ۔ اور دوسری وجہ یہ کہ تو مستحق ہے اس کا کہ تجھ سے محبت کی جائے۔ خود غرضانہ محبت سے مجھے کوئی سروکار نہیں مگر میرا ہر خیال تیری محبت سے سرشار ہے۔ سب سے زیادہ خالص محبت تو وہ ہے جس میں تو میری نگاہ پرستش کے سامنے نقاب اٹھا دے۔ اس میں میری کوئی تعریف ہے نہ اُس میں بلکہ ہر بات میں قابل تعریف تو ہی ہے[۲]"

یہ عقیدہ کہ وصول الی اللہ محبت حق ہی پر موقوف ہے قرآن میں تو بہت کھینچ تان سے پایا جاتا ہے مگر (مشکوک یا جعلی) احادیث نبوی میں بہت زیادہ واضح ہے۔ مثلاً خدا فرماتا ہے کہ میرا بندہ میرے قریب آتا ہے زائد از ضرورت افعال (نیک) سے اور میں اس سے محبت کرتا ہوں اور جب میں اس سے محبت کرتا ہوں تو میں ہوتا ہوں اس کا کان تاکہ مجھ سے سُنے اور اس کی آنکھ تاکہ مجھ سے دیکھے اور اس کی زبان تاکہ میرے ذریعہ بات کرے اور اس کا ہاتھ تاکہ میرے ذریعہ گرفت کرے[۳]"

---

۱ حضرت رابعہ بصریہؒ کے تفصیلی حالات اور کم سنی میں ان کے والدین کے فوت ہو جانے کے واقعات حضرت خواجہ فریدالدین عطارؒ نے اپنی مشہور کتاب تذکرۃ الاولیا میں درج فرمائے ہیں۔ ذوقی۔

۲ تعجب ہے کہ بقول پروفیسر نکلسن مصنفین یورپ کو یہ خیال سب سے پہلے حضرت رابعہ بصریہؒ کے کلام میں نظر آیا اور قرآن پاک کی اس آیت پر نگاہ نہ پڑی:- وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِلّٰہِ (اور وہ لوگ جو اللہ پر ایمان لائے ہیں اللہ سے اشد درجہ کی محبت (یعنی عشق) رکھتے ہیں)۔ اس آیت کی رو سے تو ایمان کا دارومدار ہی عشق الٰہی پر ہے۔ پھر یُحِبُّھُمْ وَیُحِبُّوْنَہٗ اور قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ اور اس نوعیت کی دیگر آیات کو نہ دیکھا اور محبت الٰہی کو اسلام میں بعد کی چیز کہہ دیا۔ جن لوگوں کی قرآن دانی کا یہ حال ہو انہیں اسلامی مسائل پر قلم اٹھانے کی جرأت کیونکر ہوتی ہے؟ ذوقی۔

۳ جس حدیث کی جانب یہاں اشارہ ہے اس کی صحیح عبارت حسب ذیل ہے
مَا یَزَالُ عَبْدِیْ یَتَقَرَّبُ اِلَیَّ بِالنَّوَافِلِ حَتّٰی اَحْبَبْتُہٗ فَاِذَا "اور ہمیشہ رہتا ہے بندہ میرا نزدیکی ڈھونڈتا طرف میرے ساتھ نوافل کے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ)

کثرت ذکر الٰہی سے صوفیاء اپنے سلوک کو شروع کرکے معرفت تک پہنچتے ہیں اور معرفت کی یہ تعریف کی گئی ہے کہ دل کی آنکھ سے مشاہدہ کرکے مراتب توحید کو معلوم کیا جائے۔ اس باطنی زندگی کی تشریح جو کہ تجربہ پر مبنی ہو سب سے پہلے بصرہ کے حارث محاسبی (۸۵۷ء) نے بیان کی۔ ان کی تصنیف رعایہ لحقوق اللہ جس کا ایک ہی قلمی نسخہ باقی ہے اور آکسفورڈ میں اب تک موجود ہے ترکت خیال اور جدت کا پتہ دیتا ہے، مگر اس میں موسوی اور عیسوی ماخذ سے بہت کچھ اخذ کیا گیا ہے۔ بقول مصنفین مابعد طریقت مشتمل ہے مقامات واحوال پر۔ پہلا مقام توبہ کا ہے۔ اس کے بعد اور مقامات کا سلسلہ آتا ہے مثلاً ترک، زہد، توکل ہر مقام آنے والے مقام کے حصول کا ذریعہ ہوتا ہے تفصیل میں اختلاف ہے مگر اجمال و عمومیت میں کوئی اختلاف نہیں۔ سالک کا سبق یہ ہوتا ہے کہ افعال قلب کا زیادہ خیال رکھے بہ نسبت افعال جوارح کے' نیت کو عمل کے مقابلہ میں زیادہ اہمیت دے' اور احکام شریعت کی تعمیل کرتے وقت اس بات کا خیال رکھے کہ ان احکام میں بالاتر حقائق کی جانب اشارات و ہدایات ہیں۔ باوجود اس کے کہ ان اصولوں میں قانون شکنی کی جانب میلان ہے ان کا اثر مسلمان فقہا پر اور غزالی (م ۱۱۱۱ء) جیسے زبردست عالم الٰہیات پر اور سعدی (م ۱۲۹۱ء) جیسے ماہر اخلاقیات پر غالب رہا ہے صوفیوں پر یہ الزام تو نہیں آسکتا کہ انہیں اپنی جان کے ساتھ محبت رہی ہے مگر یہ واقعہ ہے کہ بعض اوقات انہوں نے محبت الٰہی کی خاطر اپنے خارج از جماعت ہمسایوں کو بالخصوص ضرر پہنچایا۔ مگر آخر میں جا کر ان کے توحید کے تخیل نے ان کے لیے اس بات کو ناممکن کر دیا کہ وہ خدا سے تو محبت کریں

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ

احببتہ فکنت سمعہ الذی یسمع بہ وبصرہ الذی یبصر بہ ویدہ التی یبطش بہا ورجلہ التی یمشی بہا وان سالنی لاعطینہ ولئن استعاذنی لاعیذنہ (رواہ البخاری)

یہاں تک کہ دوست رکھتا ہوں میں اس کو اور جس وقت کہ دوست رکھتا ہوں میں اس کو پس ہوتا ہوں میں شنوائی اس کی کہ سنتا ہے ساتھ اس کے اور بینائی اس کی کہ دیکھتا ہے ساتھ اس کے اور ہاتھ اس کا کہ پکڑتا ہے ساتھ اس کے اور پاؤں اس کا کہ چلتا ہے ساتھ اس کے اور اگر مانگتا ہے مجھ سے یہ بندہ البتہ دیتا ہوں میں اس کو اور اگر پناہ پکڑتا ہے ساتھ میرے البتہ پناہ دیتا ہوں میں اس کو۔"

منکر صاحب کے نزدیک یہ حدیث مشکوک یا جعلی ہو تو ہو۔ ان کے نزدیک تو نعوذ باللہ قرآن بھی مشکوک یا جعلی ہے۔ مگر مسلمانوں کے نزدیک یہ حدیث نہایت صحیح ہے۔ (دوق)

مگر خدا کی مخلوق سے محبت نہ کریں۔

تیسری صدی ہجری کے صوفیوں نے اس باطنی مذہب کی مکمل طور پر علمی و عملی بنیادیں ڈالیں۔ ذوالنون مصری نے اسلام میں معرفت کے تخیل کو داخل کیا اور اس معرفت کا مفہوم یہ ہے کہ بخلاف استدلال اور روایات کے ذریعہ علم حاصل کرنے کے کیف و حال کے ذریعہ علم حاصل کیا جائے جب ان سے پوچھا گیا کہ انہوں نے خدا کو کیسے جانا تو جواب دیا کہ "عرفت ربی بربی" یعنی میں نے اپنے رب کو اپنے رب ہی کے ذریعہ سے پہچانا۔ اور مثل ڈیونیسیس (Dionysius) کے ان کا بھی مقولہ یہ ہے کہ:۔ خدا برعکس[1] ہے ہر اس چیز کے جو کہ تمہارے خیال میں آسکتی ہو"۔ اور ان کا ایک قول یہ بھی ہے کہ:۔ "خدا کا جس قدر عرفان حاصل ہوتا جاتا ہے اسی قدر بندہ خدا میں فنا ہوتا جاتا ہے"۔ اس زمانہ کے بعد سے ہم دیکھتے ہیں کہ اشارات و اصطلاحات کا استعمال زیادتی کے ساتھ شروع ہو چلا اور ان علوم کو خواص کے لئے مختص کر دیا گیا ہے۔ اور نجس کانوں[2] سے محفوظ رکھا گیا۔ ایران کے ابویزید یعنی بایزید بسطامی نے فنا کے عقیدہ کا اضافہ کیا ممکن ہے کہ اس میں وہ ہندوستان والوں کے اُس فلسفیانہ عقیدہ سے متاثر ہوے ہوں کہ ہر چیز کی جڑ ایک ہی ہے۔ اس کے بعد ہی فنا کا اثباتی لازمہ بقا بھی شامل عقائد[3] کر دیا گیا۔ توحید خالص تک پہنچنے میں ہر چیز کی نفی کرتے چلے جانے کی انتہائی کوشش نے بقول بایزید ہی کے ان پر سے

[1] پروفیسر نکلسن کو یہاں بھی التباس ہوا۔ ایسے موقعوں پر صوفیائے کرام لفظ "برعکس" نہیں استعمال کرتے بلکہ "ماورا" یا "برتر" یا اسی نوع کے دوسرے الفاظ استعمال کرتے ہیں۔ ؏ اے برتر از خیال و قیاس و گمان و وہم + وز ہر چہ گفتہ ایم و شنیدیم و خواندہ ایم
اور یہ بات قرآنی تعلیم لیس کمثلہ شئی کے بالکل مطابق ہے (ذوقی)۔

[2] یہاں بھی بجائے "نجس کانوں" کے جو الفاظ صحیح طور پر استعمال کئے جاتے ہیں "نا اہلوں کے کانوں سے" (ذوقی)

[3] "فنا" اور "بقا" کے مسائل عقائد سے تعلق نہیں رکھتے نہ فنا و بقا عقائد میں شامل ہیں بلکہ یہ صرف اصطلاحات ہیں جو عقائد صحیحہ اور اعمال صالحہ کے نتائج بیان کرنے کے لئے وضع کی گئی ہیں۔
حضرت بایزید بسطامی کو ہر چیز کی جڑ ایک ہونے کے متعلق ہندوستان والوں کے کسی فلسفیانہ عقیدہ سے متاثر ہونے کی ضرورت نہیں۔ قرآن کی آیہ الی اللہ مرجعکم جمیعًا۔ ان کی رہنمائی کے لئے کافی ہے۔
(ذوقی)

حجاب اٹھا دیا۔ زمانۂ ما بعد میں ایرانی صوفیوں کے نزدیک بایزید نے وہ اہمیت حاصل کی کہ ان کے شطحیات مثل "سبحانی" اور عالم رویا میں ان کے حصول معراج کے قصّے بیان کرنے سے صوفی تھکتے ہی نہیں بعض اقوال جو بایزید سے منسوب کئے جاتے ہیں یہ ہیں۔

"اللہ کی ساری مخلوق احوال کے تحت میں ہے مگر عارف ان احوال سے مغلوب نہیں ہوتا کیونکہ اس کے آثار سب مٹ جاتے ہیں، اس کی ذات کسی اور کی ذات میں، اور اس کی صفات کسی اور کی صفات میں فنا ہو جاتی ہیں۔"

"تیس برس ہوئے کہ خدائے برتر میرا آئینہ تھا۔ اب میں خود اپنا آئینہ ہوں یعنی جو کہ میں تھا وہ اب میں نہیں رہا کیونکہ "میں" اور "خدا" (کے الفاظ) توحید الٰہی کی نفی کرتے ہیں۔ چونکہ میں اب نہیں رہا خدائے برتر اب اپنا آپ ہی آئینہ ہے۔ میں کہتا ہوں کہ میں آئینہ ہوں کیونکہ وہ حقیقتاً خدا ہے جو میری زبان سے گفتگو کرتا ہے اور میں درمیان سے اٹھ گیا ہوں۔"

"میں بایزیدی سے اس طرح نکل گیا جس طرح سانپ اپنی کینچلی سے نکل جاتا ہے پھر میں نے دیکھا تو معلوم کیا کہ عاشق و معشوق و عشق ایک ہیں کیونکہ عالم توحید میں سب ایک ہیں۔"

بایزید اہل سکر کے محبوب پیشوا ہیں۔ برعکس اس کے اہل صحو جنید بغدادی کے متبع ہیں جن کا نظریۂ وصل ان کے شاگرد حلاج نے بیباکانہ حقیقت کے رنگ میں عملاً دنیا کے سامنے پیش کر دیا[1]۔ جب حلاج

[1] حسین منصور حلاج اٹھارہ سال کی عمر میں تستر آئے اور دو برس حضرت عبداللہ تستری کی صحبت میں رہے پھر آپ بصرہ تشریف لے گئے اور اٹھارہ برس حضرت عمرو بن عثمان مکی رح کی صحبت میں رہے۔ یہاں حضرت یعقوب اقطع رح نے اپنی صاحبزادی کا عقد آپ کے ساتھ فرما دیا جب حضرت عمرو بن عثمان مکی رح آپ سے ناراض ہو گئے تو آپ بغداد گئے اور حضرت جنید بغدادی رح سے اپنے عمرو بن عثمان مکی رح کی ناراضی کا سبب بیان کیا۔ حضرت جنید بغدادی رح نے آپ کو خلوت اور سکوت کی تعلیم فرمائی۔ چند روز بعد آپ حجاز چلے گئے اور ایک سال وہاں قیام کر کے واپس بغداد آئے اور حضرت جنید بغدادی رح سے کوئی سوال کیا حضرت کا جواب آپ نے نہ دیا اور فرمایا کہ تو بہت جلد لکڑی کا سر سرخ کرے گا یعنی سولی پر چڑھے گا۔ اس بات پر منصور حلاج ناراض ہو گئے اور تستر چلے گئے اور ایک سال تک وہاں رہے۔ ان واقعات کی بنا پر پروفیسر نکلسن کا یہ کہنا غلط ہے کہ حضرت جنید بغدادی رح

زندقہ کے سنگین الزام میں گرفتار کیے گئے تو کوئی تعجب کی بات نہ ہوئی اگر جنید نے ان سے بریّت کا اظہار کیا ان کی کتاب الطواسین میں جو عقاید بیان کیے گئے ہیں وہ قطع نظر انا الحق کے بھی جو کہ اُن عقائد کا اشتعال انگیز خلاصہ ہے مسلمانوں کو مشتعل کر دینے کے لیے کافی ہیں۔ مگر وہ عقائد اس درجہ انوکھے عمیق اور تاریخی اہمیت رکھنے والے ہیں کہ ان کے اہم اجزا کا خاکہ کھینچے اور ان کے چند پہلوؤں کی جانب توجہ مبذول کرنے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ یہ صورت حال ہی میں ممکن ہو سکی ہے۔ کیونکہ پروفیسر میسگنن (Prof Massignon) نے حلاج کے اوراق پریشان کا پتہ چلا کر ان کا گہرا مطالعہ کیا ہے۔

بقول حلاج کے خدا نے جو کہ حقیقتاً عشق ہے انسان کو اپنی صورت پر اس غایت سے پیدا کیا کہ بندہ صرف خدا ہی سے محبت کرے اپنے اندر روحانی انقلاب پیدا کر کے خدا کے عکس کا اپنے میں مشاہدہ کرے اور رضائے الٰہی اور فطرت کا تابع ہو کر واصل بالحق ہو جائے۔ یہ ظاہر ہے کہ جس وصل کا حلاج ذکر کرتے ہیں اور جس کا انھیں خود تجربہ ہوا وہ حلولیوں کے ہمہ اوست سے کوئی سروکار نہیں رکھتا گو مسلم اور یورپین مصنفین نے ایسا ہی لکھا ہے۔ حلاج نے اپنے اظہار مطلب کی غرض سے حلول کی جو اصطلاح استعمال کی ہے وہ اس کے ہم مذہبوں کے ذہن میں مظہریت کے عیسائی عقیدہ سے ملتبس ہو گئی۔ یہ نہیں معلوم ہوتا کہ حلاج نے جہاں تک کہ ان کی ذات کا تعلق ہے اس اصطلاح کو اس معنی میں استعمال کیا ہو۔ مگر ان کے دوسرے عجیب و غریب اقوال ایسے ہیں جن کی رو سے مسلمان صوفیا میں انھیں سب سے زیادہ قریب روح مسیح سے معلوم ہوتا ہے۔ ان کے نزدیک ولی واصل باللہ کا مرتبہ پیغمبر سے جو کہ خلق کے ساتھ مشغول رہتا ہے بڑھا ہوا ہے۔ ان کے نزدیک ولایت کا اعلیٰ نمونہ محمد (صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم) نے پیش نہیں کیا بلکہ عیسیٰ (علیہ السلام) نے پیش کیا جو کہ برگزیدہ انسانیت کا نمونہ تھے اور ہستی حق میں اپنے ظاہر و باطن سے فنا ہو کر مظہر حق و نمائندہ الٰہی

بقیہ حاشیہ گذشتہ صفحہ [illegible]۔ کے "نظریۂ وصل" کا اظہار بیباکی کے ساتھ حلاج نے کیا اور حضرت جنید رح نے اپنی جان بچانے کی غرض سے حلاج کی گرفتاری پر حلاج سے بریّت کا اظہار کر دیا۔

بن گئے تھے[1] حق تعالیٰ ان سے ظاہر ہوتا تھا۔ اور وہ خالق سے ظاہر ہوتے تھے اور حقیقۃ الحقائق اُن پر محیط تھا۔ مزید براں پروفیسر میسگنن (Massignon) کے قول کے بموجب حلاج کا تمثیل وصل یہ ہے کہ بندہ واصل با مرکُن ہو جائے اور یہ لفظ کُن" قرآن میں ولادت مسیح اور قیامت سے متعلق کیا گیا ہے[2]۔ اس نوع کا وصل احکامات الٰہی کی صحیح تفہیم اور شدید پابندی پر موقوف ہے۔ اس نوع کی تفہیم اور پابندی کے مستقلاً حصول کے بعد صوفی کی روح میں خدا کی روح آجاتی ہے جو کہ امر رب (قرآن سورۂ بنی اسرائیل۔ آیت ۸۵) کا کرشمہ ہے پھر اس کے بعد بندہ کا ہر فعل خدا کا فعل ہوتا ہے۔ حلاج نے سبق پڑھا تھا کہ تقدیس کی تکمیل بغیر مصائب اور ذاتی قربانی کے حاصل نہیں ہوتی اس سبق میں پختگی کا ثبوت دینے میں بھی انہوں نے کوتاہی نہ کی۔ ۳۰۹ھ/۹۲۲ء میں انھیں دار پر کھینچا گیا۔ جب انہیں صلیب کے پاس لایا گیا اور انہوں نے صلیب کی میخوں کو دیکھا تو لوگوں کی جانب رخ کرکے ایک دعا مانگی جس کے آخری الفاظ یہ تھے۔

---

[1] نامعلوم حلاج نے کیا لکھا اور پروفیسر میسگنن یا نکلسن نے کیا سمجھ لیا کیونکہ حلاج کی اصلی تحریر اس وقت ہمارے سامنے نہیں۔ مگر اتنا ضرور ہے کہ اس مسئلہ کے سمجھنے میں بڑوں بڑوں سے غلطی ہوئی ہے۔ بات صرف اتنی سی ہے کہ پیغمبر میں دو جہتیں ہوتی ہیں۔ ایک جہت حق یعنے وہ جہت جس سے وہ حق تعالیٰ سے متصل ہوتا ہے یا حق تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور اخذ فیضان کرتا ہے۔ اور دوسری جہت خلق یعنی وہ جہت جس سے وہ خلق سے متصل ہوتا ہے یا خلق کی طرف متوجہ ہوکر خلق کی اصلاح کرتا ہے اور جو فیضان جہت اول کے ذریعہ اس نے حاصل کیا وہ خلق کو پہنچاتا ہے۔ جہت اول کو فضیلت دی جاتی ہے جہت ثانی پر کیونکہ توجہ الی الحق افضل ہے توجہ الی الخلق سے۔ توجہ الی الحق کو ولایت اور توجہ الی الخلق کو نبوت کہتے ہیں۔ ہر پیغمبر میں ولایت اور نبوت کا اجتماع لازمی ہے۔ اور اس کی ذاتی ولایت کو اس کی ذاتی نبوت پر فضیلت ہے جب صوفیاء کی تحریروں میں اس نوع کی عبارت پائی جاتی ہے کہ ولایت کو نبوت پر فضیلت ہے تو اس کے یہی معنی ہوتے ہیں کہ ہر نبی کی ولایت کو اس کی نبوت پر شرف حاصل ہے۔ ورنہ یوں تو ہر نبی کو ہر ایسے ولی پر جو کہ نبی نہ ہو ہر اعتبار سے فضیلت حاصل ہے اور نبی آخر الزماں کو جملہ انبیاء پر ہر لحاظ سے فضیلت کلی حاصل ہے (ذوقی)

[2] اصل انگریزی کتاب میں عبارت کا یہ حصہ نہایت مہمل ہے۔ لفظ کُن تو پوری کائنات اور کائنات کی ہر چیز کی تخلیق سے متعلق ہے۔ ولادت مسیح اور قیامت کی تخصیص کے کیا معنی۔ (ذوقی)

"اور اے خدا! یہ لوگ جو مجھے قتل کرنے یہاں جمع ہوئے ہیں تیرے ہی مذہب کی پرجوش حمایت اور تیری ہی خوشنودی کے حصول کی تمنا میں آئے ہیں۔ تو انھیں معاف فرما دے۔ اور ان پر اپنی رحمت نازل فرما۔ کیونکہ اگر تو نے ان پر وہ بات ظاہر کردی ہوتی جو بات کہ تو نے مجھ پر ظاہر کی ہے تو وہ اس کام کو نہ کرتے جس کام کو انہوں نے کیا۔ اور اگر تو نے مجھ سے وہ بات پوشیدہ رکھی ہوتی جو بات کہ تو نے ان سے پوشیدہ رکھی تو میں ان شدید مصائب میں مبتلا نہ ہوتا۔ تیری شان عظیم ہے تو جو چاہے ارادہ فرمائے اور جو چاہے کرے۔ تجھے سب زیب دیتا ہے۔" (باقی)

الجہاد فی الاسلام

تالیف

سید ابوالاعلیٰ مودودی

مختصر فہرست مضامین حسب ذیل ہے:-

اسلامی جہاد کی حقیقت	اس میں بتایا گیا ہے کہ قرآن مجید کی تعلیم جہاد کن اہم حقائق پر مبنی ہے اور نظام تمدن میں روح جہاد کا کیا مرتبہ ہے
مدافعانہ جنگ	وہ اغراض جن کے لیے قرآن نے دفاعی جنگ کا حکم دیا ہے۔
مصلحانہ جنگ	[illegible] جنگ کے اصول و مقاصد کی تشریح اور ان اعتراضات کا مدلل جواب جو اس نوع کی جنگ پر کیے جاتے ہیں
اشاعت اسلام اور تلوار	دعوت و تبلیغ کے متعلق اصول تعلیم اسلامی کی تشریح، اور اس امر کی تحقیق کہ اشاعت اسلام میں تلوار کا کیا حصہ ہے۔
قوانین جنگ	اصلاحات سے قبل کے وحشیانہ طریقہائے جنگ اور ان میں اسلام کی اصلاحات۔
جنگ دوسرے مذاہب میں	جنگ کے متعلق ہندو مذہب، بودھ مت، مسیحیت اور [illegible] کی تعلیمات کی تشریح اور اسلام سے ان کا مقابلہ
جنگ اور تہذیب جدید	بین الاقوامی قانون جنگ کی تفصیل اور اسلامی قانون جنگ سے اس کا مقابلہ۔

ضخامت [illegible] صفحات قیمت مجلد پانچ روپیہ انگریزی پانچ روپیہ بارہ آنہ سکہ عثمانیہ غیر مجلد چار روپیہ انگریزی چار روپیہ بارہ آنہ سکہ عثمانیہ

دفتر ترجمان القرآن ..... حیدرآباد دکن